ترتیب مضامین

اداریہ	مدیر تحریر
دعوت میں تاثیر عمل سے آتی ہے!	شیخ ابرار احمد ندوی
خشک سالی، طبعی اور غیبی اسباب	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
کردار کے آئینہ میں ہماری تصویر	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی
ہماری وحدت انتشار کے نرغے میں	محمد علاء الدین ندوی
شب برأت کے فضائل واحکام	منور سلطان ندوی
کلیم احمد عاجزؔ: فکر وفن پر ایک نظر	ڈاکٹر زاہد حسین ندوی
نظام تعلیم کی ثنویت اور اسلا	محمد مجاہد ندوی
زکوۃ کے چند اہم مسائل	افادات: مفتی احمد خانپوری، مفتی اعظم گجرات

ھنؤ کا علمی، دعوتی واصلاحی ترجمان

اھ
ی ندوی

اندھے کی چوکی، ہردوئی روڈ، لکھنؤ

س کی تیاری بھی اسی قدر اہتمام سے ہوتی
ہے اس لئے اس کی تیاری بھی شادی کی تاریخ
ر اور دیگر تقریبات کی تیاری کا ہے، اسلامی
ک کو جو مقام حاصل ہے اس سے ہر مسلمان
ور افضل ترین مہینہ جس کا ایک ایک لمحہ انتہائی
رصت نہیں، عید کی تیاری کی خوب فکر ہوتی
ر ہو جاتا ہے، جبکہ رمضان کی تیاری کی کوئی
ک کے مہینہ کو زیادہ سے زیادہ وصول کرنے
کے لئے پہلے سے غور وفکر کرنا چاہیے، اپنے
یے، رمضان کے شب روز گزارنے کے لئے
۔

مبارک کی تیاری سے متعلق بہت سی باتیں
اپنا نظام بنانا چاہیے:
زہ رکھتے تھے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ
ھتے کہ ہم سمجھتے کہ اب روزہ نہیں چھوڑیں
ھتے کہ اب روزہ رکھیں گے ہی نہیں، چنانچہ
مل کرتے اور شعبان سے زیادہ کسی مہینہ
الصوم، حدیث نمبر:۱۹۶۹)
ﷺ کو سب سے زیادہ پسندیدہ یہ بات تھی
ہ روزہ رکھتے رکھتے اسے رمضان سے

ملا دیں۔(المستدرک علی الصحیحین، کتاب الصوم، حدیث نمبر:۱۵۸۵)

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ سب سے بہتر کون سا روزہ ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا شعبان کا روزہ رمضان کی روزوں کی تعظیم کے لئے۔(السنن الکبری للبیہقی، کتاب الصوم، حدیث نمبر:۸۷۸۰)

حضرت اسامہ بن زید بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ ایک مہینہ میں جتنے روزہ رکھتے ہیں اتنا روزہ کسی اور مہینہ میں نہیں رکھتے، آپ ﷺ نے فرمایا کون سا مہینہ؟ انہوں نے جواب دیا: شعبان، آپ ﷺ نے فرمایا: رجب اور رمضان کے درمیان شعبان کا مہینہ ہے، لوگ اس سے غافل رہتے ہیں، حالانکہ اسی مہینہ میں بندوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں، لہذا میں یہ چاہتا ہوں کہ جب میرے اعمال بارہ گاہ خداوندی میں پیش ہوں تو میں روزہ کی حالت میں ہوں۔(السنن الکبری للنسائی، کتاب الصیام، حدیث نمبر:۲۶۶۶)

مذکورہ بالا احادیث سے صاف واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کس قدر شعبان میں روزہ کا اہتمام فرماتے تھے، نیز رمضان کی تیاری شعبان سے ہی شروع فرما دیتے تھے، ان احادیث سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ

۱: شعبان سے ہی رمضان کے استقبال کی تیاری شروع کریں، رمضان کی تعظیم کا یہی تقاضہ ہے۔

۲۔شعبان میں نفلی روزوں کا اہتمام کریں تاکہ روزہ کی عادت ہو جائے، اور رمضان کے روزے محسوس نہ ہوں۔

۳۔رمضان میں استعمال ہونے والے خورد ونوش کی تیاری بھی رمضان سے پہلے کرلیں تاکہ ان کاموں کی الجھن سے یکسو ہو جائیں۔

۴۔عید کی خریداری میں بڑا وقت ضائع ہوتا ہے، خاص طور پر خواتین خریداری کے نام پر خوب خوار ہوتی ہیں، جس کے نتیجہ میں کلفت کے ساتھ روزہ کی برکات سے محرومی

ی بھی رمضان سے پہلے کرلیں، تا کہ ان
وں۔
کی دعوتوں کی تیاری میں بھی خواتین
ت کو بچایا جاسکتا ہے۔
ے قیمتی اوقات ہماری بے جا مصروفیات کی
میں گزرے، رمضان ہم سے یہی مطالبہ
ہے۔

دعوت میں تاثیر عمل سے آتی ہے!

شیخ ابرار احمد ندوی ☆ (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ومن أحسن قولا ممن دعا الی اللہ وعمل صالحا و قال اننی من المسلمین (حم السجدہ:۳۳)

ترجمہ: اور اس سے اچھی بات کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور اچھے کام کئے اور کہا کہ میں تو فرمانبردار ہوں!

اسلامی تعلیمات میں دعوت کے کام کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اسکی اہمیت کا اندازہ اسی آیت کریمہ سے لگایا جاسکتا ہے، کہ اس کام میں زبان کے بول اتنی اہمیت رکھتے ہیں تو اس میں جدوجہد کرنا اور اپنے آپ کو اس میں کھپانا اللہ تعالی کے یہاں کتنا محبوب ومقبول ہوگا۔

بلاشبہ دعوت وارشاد کا کام اسلامی زندگی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، اگر ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جائے تو پھر انسان دوسروں کی خدمت کرنا تو درکنار اپنی ضروریات زندگی میں بھی دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے، پھر انسانی جسم کے دوسرے اعضاء وجوارح کتنے ہی طاقتور ہوں، انکی صلاحیت وافادیت ناکارہ ہوجاتی ہے، اسی طرح دعوت کا کام ترک کردینے سے دین کے دیگر شعبوں کی افادیت بے معنی ہوجاتی ہے، دعوت کے کام کا ضعف وبے توجہی عقائد وعبادات، اخلاقیات ومعاملات کی تاثیر وروح کو بھی کمزور کردیتی ہے، پھر انسان کی عملی زندگی عدم استحکام کا شکار ہوجاتی ہے اور رفتہ رفتہ یہ عمل کی سعادت سے محروم ہوجاتا ہے۔

یقیناً انسانی معاشرہ کے لئے دعوت کی ضرورت ایسی ہی ہے جیسے زمین کیلئے بارش کی۔ بارش سے زمین کا ہر خطہ شاداب ہو جاتا ہے اسی طرح دعوت سے انسانوں کے مردہ قلوب میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے، اس لئے اللہ تعالی نے ہر زمانے وہر قوم میں انبیاء علیہم السلام کا مبارک سلسلہ جاری فرمایا تا کہ انسانیت کی مردہ زمین آب حیات سے سیراب ہوتی رہے اور جب یہ سلسلۂ نبوت منقطع ہوا تو یہ ذمہ داری امت مسلمہ کے دوش پر ڈال دی گئی۔

خشک سالی، طبعی اور غیبی اسباب

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
(جنرل سکریٹری: اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، نئی دہلی)

موسم کا معتدل اور متوازن ہونا بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے، عام حالات میں زمین پر پھیلے ہوئے سبزہ زاروں اور فضاء میں شوخی سے اٹھکھیلیاں کرتی ہوئی خنک ہواؤں کی قدر و قیمت معلوم نہیں ہوتی؛ لیکن جب موسم گرما میں سورج آگ برساتا ہے، گرم و خشک ہوائیں درختوں کو بے روح کر دیتی ہیں، لو کے جھونکے انسانوں کے لئے پیام موت ثابت ہونے لگتے ہیں اور زمین اور ماحول کی تپش سے کروٹیں بے سکون ہو جاتی ہیں، اس وقت خوشگوار موسم کی اہمیت معلوم ہوتی ہے اور اندازہ ہوتا ہے، کہ یہ اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے!

اس وقت پورا ملک گرمی کی لپیٹ میں ہے اور بہت سے علاقے ہیں، جہاں خشک سالی نے زندگی کو دوبھر کر دیا ہے، مہاراشٹر کا تو بہت ہی بُرا حال ہے، پینے کے پانی کے لئے لوگوں کو تپتے ہوئے ریگزاروں سے گذر کر میلوں دور جانا پڑتا ہے، جانوروں کو چارہ میسر نہیں اور ان کی تصویریں دیکھ کر رحم آتا ہے، پانی کی شدید قلت کا سامنا ہے، ان حالات میں لوگ گندے پانی بھی استعمال کرنے پر مجبور ہیں اور اس کی وجہ سے بیماریوں کا پھیلنا فطری بات ہے، ہندوستان کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی یہاں تک کہ نہایت سرد علاقوں میں بھی خشک سالی اپنے قدم بڑھا رہی ہے، آسٹریلیا جیسا ہرا بھرا اور درختوں اور جنگلات کی کرامات سے پہچانا جانے والا ملک بھی اس کے اثر سے آزاد نہیں۔

قحط سالی کی کچھ طبعی وجوہ ہو سکتی ہیں، طبعی وجوہ کا تعلق بھی انسان کے اپنے افعال ہی سے ہے، زمین پر جنگلات اور درختوں کا وجود قدرت کا بہت ہی خوبصورت اور انوکھا تحفہ ہے، اگر قدرت کا ہاتھ ان درختوں کی تخلیق نہ کرے اور زمین کو ان گہنوں سے آراستہ کرنا چھوڑ دے تو کوئی طاقت نہیں، جو ان کو وجود میں لا سکے؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ زراعت اصل میں ہم کرتے ہیں یا تم کرتے ہو؟ ’’ أَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ

رون بالمعروف وتنهون عن المنكر

بر پائی گئی ہو، تم بھلائی کی تلقین کرتے ہو

ت، اسلام کی وسعت اور کامیابی کا انحصار
حصار عمل پر ہے، گویا دعوت کے لئے عمل
أحسن قولا ممن دعا الی الله کے
، جب تک قول دعوت کے ساتھ عمل صالح
ور عنداللہ مقبولیت نہیں پیدا ہوسکتی۔
ہے، اگر کوئی عمل کو نظر انداز کرکے دعوت کا کام
نے والے اور بلا روح کے ڈھانچے کو لئے لئے
کے عمل کا دائرہ صرف عبادات تک محدود نہیں
زندگی پر بھی محیط ہے، اور اعمال ظاہری کے
سلیم کا حامل ہو، اس کا دل خلق خدا کے لئے
دعوت پر کشش اور پر تاثیر ہوسکتی ہے، اور وہ

ی اہمیت اور اسکی نزاکت کو سمجھیں اور عملی زندگی
ہیں اور خزاں کی جگہ بہار آسکتی ہے، اور ہم بھی
سکتے ہیں۔ اللھم وفقنا بما تحب وترضی

ں انسان کو غذائی فوائد حاصل ہوتے ہیں
ور نوع بہ نوع فائدے اُٹھاتے ہیں، وہیں
ش کے نظام کو متوازن بنانے میں بھی یہ
ں کی کٹائی نے موسم پر نہایت ہی بُرا اثر ڈالا
ڈگری سلسیس بڑھ گیا ہے اور یہ حیثیت
مین کھلے درجۂ حرارت میں ایک ڈگری
خیال ہے کہ درختوں کی کٹائی اور جنگلات
نے شجر کاری اور کاشت کاری کی بڑی حوصلہ
ں جب کوئی درخت لگاتا ہے، تو اس درخت
اتنا اجر لکھتے ہیں، (مسند احمد عن ابی ایوب
ؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا
ں یا اللہ کی کوئی مخلوق کھائے تو وہ اس کے
ت کو آپ ﷺ نے درخت والوں کے لئے
قرار دیا، (مجمع الزوائد: ۶۸/۴) برکت
ں ہے۔
پ ﷺ نے درختوں کو کاٹنے سے منع فرمایا
خت ہوتے تھے، اس لئے خاص طور سے
ضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ
یں، کہ بیری کا درخت کاٹنے والے پر اللہ
طع السدر) حضرت عائشہؓ سے مروی ہے
بیری کا درخت کاٹتے ہیں وہ اوندھے منھ
طبرانی) اسی مضمون کی روایت عبداللہ بن

حبشی سے بھی مروی ہے عمرو بن اوسؓ سے روایت ہے، کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے بیری کا درخت کاٹا سوائے اس کے کہ کھیتی کے لئے کاٹے، اللہ تعالیٰ دوزخ میں اس کا گھر بنائیں گے (مجمع الزوائد: ۶۹/۴ باب فیمن قطع السدر) اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جنگلات کی حفاظت کو اسلام میں کتنی اہمیت حاصل ہے۔

اس کے علاوہ جدید صنعتوں میں گیس اور کیمیکلس کا بے دریغ استعمال اور اس کے مضر اثرات سے حفاظت کی طرف سے بے توجہی، نیز زمین کے اندر موجود قدرتی وسائل کوئلے وغیرہ کا مسلسل اخراج اور فضاء میں اس کی وجہ سے پیدا ہونے والی آلودگی، یہ سب وہ اسباب ہیں، جو خود انسانوں کے ہاتھوں پیدا ہو رہے ہیں اور انسان خود اپنی تباہی کا سامان بہم پہنچا رہا ہے، ظاہر ہے کہ یہ دنیا کو اجتماعی ضرر پہنچانے کا باعث ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد اور فقہ اسلامی کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ نہ ابتداءً ضرر پہنچانے کی اجازت ہے اور نہ ردِ عمل میں، لا ضرر و لا ضرار؛ لہٰذا اسلامی نقطۂ نظر سے ان امور میں غیر محتاط رویہ اختیار کرنا قطعاً درست نہیں۔

یہ بھی انسانیت کی بد قسمتی ہے کہ انسان اپنی تباہی کے اسباب پر ہی پوری صلاحیت خرچ کر رہا ہے، ایک سے ایک مہلک نیوکلیر ہتھیار، میزائل، ٹینک اور تباہی پھیلانے والے طیارے ہیں، جو وجود میں آرہے ہیں؛ لیکن ماحولیاتی عدم توازن جیسے سنگین اور مہیب مسئلہ سے نمٹنے کے لئے سائنس داں ایسی مخلصانہ کوشش نہیں کر رہے ہیں جو ان کا انسانی فریضہ ہے، حکومتیں بھی مہلک ہتھیاروں کی ایجاد کے معاملہ میں ان کی جس قدر حوصلہ افزائی کرتی ہے، تعمیری مقاصد کے لے غالباً اس کا عشر عشیر بھی نہیں کرتیں، اس سے بڑھ کر افسوس کی بات کیا ہوگی؟

یہ تو خشک سالی کے طبعی اسباب ہیں اور ان میں بھی انسان ہی کی شامت اعمال کو دخل ہے؛ لیکن اس کے علاوہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اس کائنات میں جو بھی واقعات پیش آئیں وہ اتفاقی نہیں ہیں؛ بلکہ انسان کے اعمال

کردار کے آئینہ میں ہماری تصویر

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی
(مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء، وچانسلر انٹگرل یونیورسیٹی، لکھنؤ)

''انسان اپنے ماحول کا پروردہ ہوتا ہے'' یہ وہ حقیقت ہے جس پر تمام ماہرین نفسیات کا اتفاق ہے، ماحول ایک سانچہ ہے جس میں انسان کی شخصیت اور اس کا کردار ڈھلتا ہے، تاریخ انسانی کے چند ہی ادوار کا مطالعہ اس حقیقت کو واشگاف کردیتا ہے کہ انسان اپنے معاشرہ اور گردوپیش کے حالات سے متاثر ہوتا ہے، اپنے معاصر لوگوں کے افکار ونظریات کا اثر قبول کرتا ہے اور پھر انہیں کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ بہت سے لوگوں کی زندگیاں دو مختلف ومتضاد مرحلوں سے گزریں، ایک مرحلہ جاہلیت کا تھا، ان کی زندگی اخلاقی اقدار اور حسن کردار سے عاری تھی، وہ ہر طرح آزادی کی زندگی گزارتے تھے، نہ مذہب کی کوئی پابندی، نہ ضمیر کی ملامت، ان کا ہر قول فعل گمراہی وجہالت اور گھٹیاپن کا نمونہ، کسی کا دل دکھانے، کسی کی زندگی کی مسرتوں کو چھین لینے اور ماحول کو آلائشوں سے بھر دینے میں انہیں کوئی جھجھک اور کراہت محسوس نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ تفریح طبع کا سامان بنتا تھا۔

دوسرا مرحلہ آیا تو کایا پلٹ گئی، اب زمین بھی دوسری اور آسمان بھی دوسرا، شب وروز بھی دوسرے، اب وہی شخص حق وباطل کا علمبردار، ہر موقع ومحل میں وہ صاحب کردار، اس کا ہر قول وعمل لوگوں کے لئے اسوہ ونمونہ، اس کے بلند اخلاق اور مثالی کردار نے اسے بام عروج پر پہونچادیا ہے، اب وہ اخلاص وخیر وخواہی اور نیکی وایثار کا پیکر بھی ہے، اور اس کا داعی بھی، اور یہ سب کچھ صرف اخوت ایمانی کے جذبہ، ضمیر کے احساس وحکم کی تعمیل میں اور آخرت پر ایمان اور رضائے الٰہی کے مقصد سے انجام پاتا ہے۔

یہ ہیں ایک مسلمان کی دو تصویریں، اپنی تصویر کے ایک رخ میں وہ صحیح ایمانی عقیدہ پر ثابت قدم ہوتا ہے، کسی بھی حال میں ذرا بھی لچک گوارہ نہیں کرتا، انجام سے

فی ہیں، انسان کی اطاعت وفرماں برداری
ں ہے، حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے
کارفرماتے ہیں کہ اگر میرے بندے میری
ناؤں اور دن میں ان پر دھوپ نکلا کرے،
ل اللہ ﷺ سے جب جمعہ کے دن بارش کی
ں ہے کہ آپ ﷺ نے دُعاء کے لئے ہاتھ
ر سے مغفرت طلب کرو کہ وہ بڑا مغفرت
فارا، (مجمع الزوائد:۲/۲۱۶) غرض، خشک
اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تنبیہ ہے کہ
ں سے باز آئے اور اپنے اعمال کی اصلاح
لائی ہے؛ بلکہ ان کی دنیوی فلاح بھی اس
یہ حقیقت جزء ایمان ہے، اگر مصیبتیں اور
سے قاصر رہیں تو اس سے زیادہ بدبختی اور کم

ﷺ کی تعلیمات کو دیکھئے کس قدر تاکید کے ساتھ آپ نے فرمایا کہ ایثاراور خیر وخواہی ایمان کی علامت ہے"لایومن احدکم حتی یحب لاخیه مایحب لنفسه" (تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جواپنے لئے پسند کرتا ہے) لیکن اب یہ مسلمان اپنے اس امتیاز سے تہی دامن ہوچکا ہے ،اب وہ تصویر ہے غروروتکبر کی، بھلائیوں اورخوبیوں کوملیامیٹ کردینے کی، پڑوسیوں کوایذارسانی کی، اپنے مسلمان بھائیوں کے اندرعیب جوئی کی، اورانقلابات زمانہ کا شکار ہوجانے والے ،مصیبت میں مبتلا بھائیوں پرخوش ہونے کی اوراپنے بھائی کو ضرورت مند پاکراسے بے یارومددگار چھوڑ دینے اورراہ فراراختیار کرلینے کی۔

اپنی ان خصلتوں اورعادتوں کے ساتھ ہم کیوں کراپنے معاشرہ اپنی زندگی میں اسلام کی کوئی خدمت انجام دے سکتے ہیں، ہمارے لئے کیوں کرممکن ہے کہ ان بنیادی ذمہ داریوں کواپنے کندھوں پراٹھاسکیں، جن کی خاطر ہم پیدا کئے گئے اوراللہ نے ہمیں حلقہ بگوش اسلام کیا تھا، اس وقت زمانہ صاحب کرداروباشعور مسلمان کا منتظر ہے، ایسا مسلمان جوداعی ہو، تعلیمات دین کا پیکر ہو، اس کی رگوں میں اخلاص کی روح جاری و ساری ہو، اوروہ ملت کی قیادت کا فریضہ انجام دے سکتا ہو، عصر حاضرنہایت بے تابی سے اس وقت اس امت کا منتظر ہے جسے اللہ نے پیدا ہی اس لئے کیا تھا کہ وہ اسلامی شخصیت و کرداراورایمانی فداکاریوں کے نمونے پیش کرے، جسے اللہ تعالی نے امت وسط بنایا تھا، ایک معتدل امت، تاکہ وہ دیگرامتوں کے لئے روزقیامت گواہ ہو، اورخودرسول امتﷺ اس امت کے لئے گواہ ہوں:

وكذلك جعلناكم امة وسطا لتكونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا (سوره بقره:۱٤۷)

ہم نے اسی طرح تمہیں عادل امت بنایا تاکہ تم لوگوں پرگواہ ہوجاؤ، اوررسول اللہﷺ تم گواہ ہوجائیں۔☆☆☆☆

ں رہتا ہے،اوردوسرارخ دیکھئے توشریعت
ہ یہ خدا کی شریعت ہی انسان کی خدمت
ں سے ہمکنار کرسکتی ہے۔
یک نہایت ہی صاف وشفاف آئینہ
ہے،اورگردوغبار کے جوداغ دھبے نظر آتے
لیتا ہے اوراسے اچھی طرح سنوار لیتا ہے
ت کے ساتھ سارے نقوش ابھرتے ہیں،
نیتﷺ نے اسی بات کی طرف اشارہ
(مومن مومن کے لئے آئینہ ہوتا ہے)۔
پنے دین کا سچا عملی پیکر تھا،اپنے کردار سے
لتوں پراورفطرت کے مطابق بلند اخلاقی
اپنی کتاب حکیم میں مسلمان کی اس صفت
ں تامرون بالمعروف وتنهون عن
کالی گئی ہے تاکہ تم نیک باتوں کا حکم دیتے
ں رکھتے ہو۔
سے نیچے اتر آیا ہے،آج اس کی سیرت
منے آتی ہے جوہرفضیلت وخوبی سے
اس کی فکری جولان گاہ صرف اپنے ذاتی
م،اس کی مسرتیں صرف اس میں ہیں کہ
ور پست مقاصد کو حاصل کرلے،رسول اللہ

ئرات

کو یہ کہنا لازمی ہے کہ یہ صدقہ کی رقم ہے؟
ں کو صدقہ دیتے وقت یہ کہنا ضروری نہیں
نے کے باوجود اگر وہ لینے میں شرم محسوس
پنے دل میں نیت صدقہ کی کرے۔

فنڈ میں لاکھوں روپے جمع رہتے ہیں، یہ
دیات کے وقت نکال سکتے ہیں، کیا اس رقم

ی جاتی ہے اور اس پر ماہ بہ ماہ جو اضافہ محکمہ
ور رقم سالانہ ملازم کے حساب میں جمع
ں میں کسی رقم پر سالہائے گذشتہ کی زکوۃ
ضابطہ کے مطابق اس پر زکوۃ واجب
نے کے بعد سالہائے گذشتہ کی زکوۃ بھی
ں کرتے ہوئے سالہائے گذشتہ کی زکوۃ
ئی گناہ نہیں، کیونکہ فتوی امام اعظم کے قول
ل میں دونوں کے احکام یکساں ہیں۔

لئے بنوا رکھا جاتا ہے تو لڑکی کے لئے ایسے

اگر وہ زیور لڑکی کے ملک کر دیا ہے تو اس پر زکوۃ بلوغ سے پہلے فرض نہیں ہے، نہ لڑکی پر نہ والدین پر، بالغ ہونے کے بعد خود لڑکی پر فرض ہوگی، اگر لڑکی کی ملک نہیں کیا ہے تو جس کی ملک ہے اس پر زکوۃ فرض ہوگی۔

ضرورت کے لئے محفوظ رقم پر زکوۃ

سوال :ایک شخص کے پاس کئی ہزار روپئے جمع ہیں، اس پر سال بھی گزر چکا ہے، مگر اس کے پاس نہ مکان ہے اور نہ ہی گھریلو اشیاء، ابھی شادی بھی نہیں ہوئی ہے، انہیں ضروریات کے لئے جمع کر رکھا ہے، اس پر زکوۃ فرض ہے یا نہیں؟

جواب: اس پر زکوۃ فرض ہے، البتہ اگر سال پورا ہونے سے قبل تعمیر مکان کا سامان یا گھریلو استعمال کی اشیاء وغیرہ خرید لے تو زکوۃ فرض نہ ہوگی۔

زکوۃ کی رقم تعمیراتی کاموں میں صرف کرنا کیسا ہے؟

سوال: زکوۃ کی رقم سے بیرونی طلبہ کے لئے دارالاقامہ کی تعمیر درست ہے یا نہیں؟

جواب: زکوۃ کی رقم براہ راست بغیر تملیک شرعی دارالاقامہ یا کسی اور تعمیراتی کام میں استعمال کرنا درست نہیں (شامی، ج۲، ص:۶۸)

زکوۃ کی رقم سے غریب بچیوں کی شادی کرنا کیسا ہے؟

سوال: زکوۃ کی رقم سے بیوہ عورتوں کی لڑکیوں کی شادی کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور اس صورت میں زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

جواب: مالک یا اس کا وکیل زکوۃ کی رقم براہ راست شادی میں استعمال نہیں کر سکتے، اگر کریں گے تو زکوۃ ادا نہ ہوگی، البتہ اگر بیوہ عورت اگر مستحق زکوۃ ہے تو اس کو مالک بنا دے، اس کے بعد وہ عورت اپنی لڑکی کے نکاح یا دوسرے کام میں خرچ کر سکتی ہے۔

(منتخب از محمود الفتاوی، جلد دوم)

تکفیر بازی کی ہوا چل پڑی اور آج اپنے مخالف کی پگڑی اچھال دینا، اس کا گریبان پکڑ لینا، اس کو طعن و تشنیع کا ہدف بنالینا تو جیسے ہمارا شیوہ بن گیا ہے۔

کتاب وسنت کی بنیادی تعلیمات سے ہم نے آنکھیں چرالی ہیں، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد بعثت سے ہم نے انحراف کیا ہے، عقائد اسلام کی درستگی سے ہم کترا جاتے ہیں، آج ہم اپنی غفلتوں، گناہوں اور فطرت کے اٹل قوانین سے روگردانی کے سبب اس بھٹکے ہوئے مسافر کی طرح ہوگئے ہیں جو سخت اندھیری رات میں کسی صحراء میں بھٹک گیا ہو، ہم ہر چہار جانب سے دشمن کے گھیرے میں ہیں تابڑ توڑ حملوں کی زد میں ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ غیر ضروری بلکہ لایعنی جھگڑوں میں اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔

اس طرح کی بھیانک غلطیاں ہم نے تاریخ کے مختلف ادوار میں کیں ہیں، اور نتیجہ بھی تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے۔ ہم نے فروعی اختلافات کے معرکے عصر عباسی کے دور زوال میں گرم کئے، تو تاتاریوں نے ہماری قصر خلافت کی اینٹ سے اینٹ بجادی، ان غیر ضروری جھگڑوں کا چسکا ہمارے منہ کو اسپین میں لگا تو آٹھ سو سالہ حکومت سے ہاتھ دھونا پڑا، انہیں اختلافات کے ہاتھوں ہم نے خلافت عثمانیہ کا قبا اپنے ہاتھوں چاک کیا.....اور انہیں کمزوروں کے نتیجہ میں ہم نے مغربی سامراجوں کو عسکری و فکری دونوں حیثیت سے قبضہ جمانے اور اہتمام کے ساتھ حملہ کرنے کا موقع دے دیا، آج ہم حسرتوں کی درد بھری داستان ہیں، اور بس دو کام کرنا جانتے ہیں، حکایت بزرگاں اور شکایتِ دشمناں۔

الحمد اللہ امت کے بیشتر گروہوں کے بنیادی عقائد میں اتفاق پایا جاتا ہے، شریعت اسلامیہ کے مأخذ کتاب وسنت ہونے میں کسی گروہ کا کوئی اختلاف نہیں لہٰذا کوئی وجہ نہیں ہے کہ اتحاد و اتفاق اور باہمی الفت و یگانگت کی بنیاد استوار نہ ہو، ہاں ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلکی نمائندے گروہی عصبیت کے خول سے باہر نکل کر بلند تر مقاصد کے لئے سوچنے کا حوصلہ پیدا کریں، جذباتیت، سطحیت اور خود غرضانہ خواہشات سے بلند ہو کر اعلیٰ مقصد کے لئے وسیع تناظر میں کام کرنے کی صلاحیت پیدا کریں، اگر دوسروں کے ساتھ

کے کاز کو تقویت پہونچائی جائے اور اسکے اغراض ومقاصد میں ہمہ گیری لائی جائے۔

۴۔اسلامی نقطۂ نظر سے دین و سیاست میں کوئی بیر نہیں ہے، امت مسلمہ محض ایک ''مذہبی جماعت'' ہی نہیں ہے، وہ ایک سیاسی وحدت بھی ہے اور ہر مسلمان اس جماعت کا ممبر ہے، اس تناظر میں مسلمانوں کے لئے الگ سے سیاسی جماعت کی تشکیل بے معنی آواز ہے، اتحاد کے خیال کو عملی شکل دینے کے لئے ''امت مسلمہ'' کے جامع اور مکمل نظریۂ حیات کو سمجھا جائے۔

۵۔اتحاد بین المسلمین کے مشن کو فروغ دینے کے لئے دینی اور تعلیمی اداروں کے وفاق پر زور دیا جائے، یا کم از کم مسلم اقلیتی اداروں کے تحفظ کے لئے تمام مکاتب فکر کی ایک رابطہ کمیٹی تشکیل دی جائے۔

۶۔اقتصادیات ومعاشیات کی راہ سے اتفاق والفت کو باسانی فروغ دیا جاسکتا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ذات پات اور گروہ بندیوں سے بالاتر ہوکر مسلمانوں کے وسیع تر مفاد کے لئے معاشی ذرائع اپنائے جائیں، ماہرین اقتصادیات اور تاجر برادران اس سلسلے میں بڑا اہم رول ادا کرسکتے ہیں۔

۷۔یہ علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے عقائد، حقائق اور مشترک قدریں تلاش کریں جن کی اساس پر اتحاد واتفاق ممکن ہو، یہ دیکھنا ان کا کام ہے کہ وہ کیا مصالح، فوائد اور احساسات ہوسکتے ہیں جہاں یہ امت یکجا ہوسکتی ہے۔

☆☆☆☆

نے سے گزیز کریں، انانیت کا لبادہ اتار کر
اینٹ تواضع ہے اور اسی میں حقیقی عزت
سے مل جل کر طے کرنے کا جذبہ ابھر آئے تو
شئ فحکمہ إلی اللہ'' (الشوری : ۱۰۰)
ں کا فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے، بصورت دیگر
خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔ دشمن کے
ں کی وسیع خلیج کو پاٹنے کی کوشش نہیں کی جاتی
اصلہ تنگ سے تنگ ہوتا جارہا ہے۔
ینے کی کوئی وجہ نہیں، یہ زندگی کے نشیب و
ت مسلمہ تو طرح طرح کے نشیب وفراز کی
وں کا ہر دور میں پامردی کے ساتھ مقابلہ
یہ اِدھر ڈوبی تو اُدھر نکلی، اور کبھی اِدھر نکلی تو
ور اختلاف وافتراق اور گروہ بندیوں اور
نے کے لئے اٹھ جایئے، ذیل میں باہمی
للہ توفیق دے کہ ہم غور کریں :
جیدگی اور علم وانصاف کے دائرہ میں رہ کر
جئے، مخالف کو اگر مخاطب کرنا ضروری ہی ہو
اور دل آزاری سے مکمل اجتناب کیجئے۔
ن اہلِ علم تک محدود رکھنے کی کوشش کیجئے،

بسر ہورہی ہے وہ معصیت کی زندگی ہے،
ئے، یہ ممکن نہ ہو تو پھر مسلم پرسنل لاء بورڈ

المعظم کے نام سے جانا جاتا ہے، یوں تو
ئے ہیں اور محترم ہیں، لیکن اللہ تعالی نے
اس لحاظ سے بعض ایام اور بعض مہینوں کی
اس کی پندرہویں شب بھی ہے، مفسرین
البرأت ،لیلۃ مبارکۃ ،لیلۃ الرحمۃ ،لیلۃ

سانوں میں ''شب برأت'' کے نام سے
تی ہے، یہ اپنے فضائل و برکات کے اعتبار
لمانوں کا ایک بڑا طبقہ اس رات کو عید کی
بہت سے چیزیں رواج پا گئی ہیں، اور عام
یتے ہیں، جبکہ بعض حضرات اس رات کی
لی ساری چیزوں کو بدعت اور بے دینی شمار
ہ کہ اس ماہ اور بطور خاص اس کی پندرہویں
ہیں ان میں کتنی چیزیں ثابت ہیں اور کون
ں۔

ہت سی روایات میں اس کی فضیلت وارد
ی ہیں کہ رمضان کے سوا صرف شعبان ہی
سے زیادہ روزہ رکھتے تھے، (صحیح بخاری

،حدیث نمبر:۱۹۶۹، صحیح مسلم، حدیث نمبر:۱۱۵۶، سنن ترمذی حدیث نمبر:۷۳۳)

حضرت اسامہؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: رجب اور رمضان کے درمیان ایک ایسا مہینہ ہے جسے لوگ غفلت میں گزار دیتے ہیں، حالانکہ یہ ایسا مہینہ ہے جس میں رب العٰلمین کے حضور بندوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں، لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ میرے اعمال اس حال میں پیش کئے جائیں کہ میں روزہ سے ہوں۔ (سنن نسائی ج۲، ص:۱۲۰، حدیث نمبر:۲۶۶۶، شیخ البانیؒ نے اسے حسن قرار دیا ہے، دیکھئے: صحیح الترغیب والترہیب، حدیث نمبر:۱۰۲۲)

اسی مفہوم کی روایت محدث ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ سے نقل کی ہے، صحیح ابن خزیمہ کے محقق دکتور محمد مصطفے اعظمی نے لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔ (صحیح ابن خزیمہ ج۳، ص:۲۸۲، حدیث نمبر:۲۰۷۷)

ان کے علاوہ اور بھی روایتیں ہیں جن سے شعبان کے مہینہ کی اہمیت اور فضیلت معلوم ہوتی ہے، ان روایات کی بنیاد پر اس ماہ کی فضیلت کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

پندرہویں شب کی فضیلت

ماہ شعبان کے تمام دن اور راتیں فضیلت والی ہیں، مگر ان میں پندرہویں شب خاص فضیلت کی حامل ہے، اس رات سے متعلق بہت سی روایتیں بیان کی جاتی ہیں، اور بعض احادیث کچھ اعمال بھی نقل کئے جائے ہیں، ذیل کی سطروں میں قرآن، حدیث اور علماء کے آراء کی روشنی میں جائزہ لیں گے کہ شب براءت سے متعلق روایتیں کیسی ہیں، اور ان سے کن کن اعمال کا ثبوت ہوتا ہے، تاکہ صحیح احادیث کے مطابق عمل کیا جائے، اور ہمارے معاشرے میں جو چیزیں غلط رائج ہیں ان سے بچا جائے۔

سورہ دخان کی آیت ''انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ انا کنا منذرین فیھا یفرق کل امر حکیم'' (سورہ دخان:۴) کے بارے میں بعض مفسرین کی رائے ہے کہ اس

احادیث وآثار مروی ہیں،اور سلف کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ وہ اس رات میں نماز پڑھا کرتے تھے،لہذا اس رات میں تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے سلف کا عمل بطور نمونہ موجود ہے،اس میں ان کے لئے دلیل ہے،لہذا اس جیسے عمل پر گرفت اور نکیر نہیں کی جاسکتی۔(مجموع الفتاوی ج۲۳،ص:۱۳۲)

مولانا عبدالحی لکھنویؒ تحریر فرماتے ہیں:شب برأت میں عبادت اور نوافل کے لئے جاگنا مستحب ہے،اس سلسلہ میں کوئی کلام نہیں ہے،ابن ماجہ اور بیہقی کی شعب الایمان کی روایت جو حضرت علی سے مرفوعاً ہے کی وجہ سے۔(الآثار المرفوعہ ص:۸۱)

مشہور اہل حدیث عالم اور محقق شیخ البانیؒ نزول سے متعلق روایت کی نو طرق سے نقل کیا ہے اور ہر ایک کی تخریج کی ہے،اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:حاصل کلام یہ کہ یہ تعدد طرق کی وجہ سے بلاشک وشبہ صحیح ہے،اس کے کم طرق سے بھی صحت ثابت ہوجاتی ہے،بشرطیکہ کہ ضعف شدید سے محفوظ ہو،جیسا کہ اس روایت کا حال ہے،شیخ قاسمی نے اصلاح المساجد میں بعض اصحاب جرح وتعدیل سے یہ نقل کیا ہے کہ پندرہویں شب کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح موجود نہیں ہے،اس پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے،اگر کسی نے یہ بات کہی ہے تو وہ جلد بازی کا نتیجہ ہے،اس نے اس طرح احادیث کے طرق کے تلاش وجستجو نہیں کی ہے جس طرح کی تحقیق آپ کے سامنے ہے۔(سلسلہ الاحادیث الصحیحۃ ج۴،ص:۳۴۲،حدیث نمبر:۱۱۴۴)

ترمذی کے شارح مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے ترمذی کی مذکورہ روایت کی تشریح میں اس مفہوم کی متعدد روایتیں نقل کی ہیں،اس کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ احادیث مجموعی اعتبار سے ان لوگوں کے خلاف حجت ودلیل ہیں جن کا یہ خیال ہے کہ پندرہویں شعبان کی فضیلت کے سلسلہ میں کچھ بھی ثابت نہیں ہے۔(تحفۃ الاحوذی ج۳،ص:۳۶۷)

اس شب کے اعمال

عکرمہؒ کی یہی رائے ہے،مگر جمہور مفسرین
اہد جیسے مفسرین شامل ہیں،کی رائے ہے
انی ج۲۵،ص:۱۱۰)
روایتیں بیان کی جاتی ہیں،علامہ سیوطیؒ نے
دد طرق سے تقریباً پندرہ روایتیں نقل کی
میں عموماً اس رات کی فضیلت یعنی اللہ کی
کا تذکرہ ہے،اس مفہوم کی روایتیں متعدد
دثین نے ان سب پر کلام کیا ہے،ان
بارے میں صحیح روایت تو کوئی نہیں ہے
مرسل روایتیں بھی ہیں،ان روایات کی
کی اصل ہے،اور اس کی فضیلت ثابت
تے ہیں:
متعدد روایتیں ہیں،ان روایات کی صحت
ن روایات کو ضعیف کہا ہے،ابن حبانؒ نے
میں اسے نقل کیا ہے،انہی راویات میں
امام احمد،ترمذی،ابن ماجہ نے کی ہے،اس
وغیرہ نے کی ہے،جس کی تفصیل ابن حجر
روایتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ
رت اور اموات کے لئے دعا میں کثرت
سے معلوم ہوا کہ اس رات میں عبادت کی
(۸
ن کی پندرہویں رات کے متعلق بہت سی

ں میں یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ اس رات
س رات اللہ کی خاص رحمتیں نازل ہوتی
ہیں، علاقوں کے فرق کے ساتھ بہت سی
ی ہے کہ اس رات کون کون سے اعمال
ن سے اعمال ثابت نہیں ہیں، یعنی بدعت

ی فضیلت احادیث میں آئی ہیں، اسی لئے
حاظ سے اس شب میں بھی نوافل کا خاص
س میں اس رات قیام کی تاکید آئی ہے
ت عبادت کرنے اور دعا واستغفار کرنے کا
ی ہیں، اس لئے اس شب میں نوافل کی

ثبوت نہیں ہے، اس لئے تنہا تنہا نمازیں
ں لکھتے ہیں:
ب میں قیام کی صورت یہ ہے کہ کسی مخصوص
زیں پڑھیں، قرآن کریم کی تلاوت کی
اور اس کی ثنا کی جائے، درود شریف کا ورد
ں اور بعض علماء کے بقول کچھ ساعت کے

ں ہے، اور نہ ہی کسی خاص نفل نماز کو ضروری
ۃ التسبیح، صلاۃ اوابین وغیرہ پڑھنا چاہیں

پڑھیں، سلف کا اس پر عمل رہا ہے، ان نمازوں میں طویل قرات اور طویل طویل رکوع وسجدے ہوں۔

حضرت علیؓ سے مروی ایک روایت میں چودہ رکعت والی نفل نماز کا ذکر ہے، جس میں قل ہواللہ، قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس اور آیت الکرسی وغیرہ پڑھنے کا ذکر ہے اور اس کا ثواب بیس حج مبرور بتایا گیا ہے، (شعب الایمان للبیہقی) محدثین نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، ابن جوزی نے موضوعات میں شمار کیا ہے، اسی طرح جوزقانی نے اباطیل میں ذکر کیا ہے۔ ان نمازوں کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ (الآثار المرفوعہ ص:۷۲)

اسی طرح سو رکعت والی نماز سے متعلق بعض روایتیں احیاء علوم الدین اور قوت القلوب جیسی کتابوں میں ملتی ہیں، شیخ عراقی نے احیاء کی احادیث کی تخریج میں ان روایات کو باطل قرار دیا ہے۔ (الآثار المرفوعۃ ص:۷۰)

نفلی روزہ

حضرت عائشہؓ کی روایت کی روایت میں صراحت ہے کہ حضور ﷺ کا معمول شعبان میں کثرت سے روزہ رکھنے کا تھا، ابن ماجہ کی روایت جس میں اس دن کے روزہ کی تاکید آئی ہے، محدثین کے نزدیک بہت ضعیف ہے، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری تحریر فرماتے ہیں: شب برأت کے دن کے روزہ کے سلسلہ میں مجھے کوئی صحیح مرفوع روایت نہیں ملی، جہاں تک ابن ماجہ کی روایت کا تعلق ہے جو ان الفاظ میں ہے.....تو یہ بہت ضعیف ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ج۳، ص:۳۶۹)

اس لئے اس دن شب برأت کی وجہ سے روزہ رکھنے کو سنت یا مستحب قرار دینا علما کے نزدیک درست نہیں ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے تنہا اس دن کے روزہ کو مکروہ قرار دیا ہے (اسنی المطالب ص:۲۷)، مولانا تقی عثمانی صاحب نے درمیان کی صورت اس طرح نکالی ہے کہ اگر کوئی شخص ان دو وجہ سے پندرہ تاریخ کا روزہ رکھے (ایک اس وجہ سے کہ یہ شعبان کا دن ہے، دوسرے اس وجہ سے کہ یہ پندرہ تاریخ ایام بیض (۱۳، ۱۴، ۱۵) میں داخل ہے، اگر

ہوگا۔(اصلاحی خطبات ج۴،ص:۲۴۷)

دعا ومناجات بھی کرنا چاہیے، یہ عمل بھی
حضرت عائشہ یہ بھی نقل فرماتی ہیں کہ انہوں
لئے مغفرت کی دعا فرماتے دیکھا۔(سنن
ہ پانچ راتوں میں دعائیں قبول ہوتی ہیں
پہلی رات،اور پندرہویں شعبان کی
ج۳،ص:۳۴۱) حضرت ابن عمرؓ سے بھی
لانا عبدالحق محدث دہلویؒ نے امام ابوالحسن
ں،ان میں ایک یہ بھی ہے:اللھم انك
ئلك العفو والعافية والمعافاة الدائمة

ں رات کثرت سے دعا کرنی چاہیے،اپنے
ام مسلمانوں کے لئے مغفرت اور بلندی
مسلمانوں کے مسائل اوران کی ضرورتوں
خاص مقبولیت کا ہے۔

ں مشغول رہنا چاہیے،علامہ شامیؒ کی تحریر
اتے ہیں:الامداد میں ہے کہ نصف شعبان
س تعداد کا التزام کئے بغیر لوگ تنہا تنہا نفل
ے،حدیثیں پڑھی اورسنی جائیں،اللہ کی تسبیح
ئے،اور یہ سلسلہ رات کے اکثر حصہ میں اور

بعض علماء کے بقول کچھ ساعت کے لئے ہو۔(ردالمحتار ج۲،ص:۳۶)

امام اوزاعیؒ کے نزدیک اس رات میں اجتماعی طور پر عبادت،تلاوت اور ذکر ودعا مکروہ ہے،البتہ انفرادی طور پر یہ چیزیں جائز ہیں۔(لطائف المعارف بحوالہ شب برات فضیلت اور حقیقت ص:۹) بعض اسلاف سے اس رات چند خاص سورتیں مثلاً سورہ فاتحہ ،سورہ اخلاص،سورہ ناس،سورہ دخان،اور آیت الکرسی کے پڑھنے کا بھی اہتمام ملتا ہے۔ (شب برات فضیلت اور حقیقت،حوالہ سابق)

قبرستان جانا

قبرستان جانا اور وہاں مردوں کے لئے دعائے مغفرت کرنا مستحب ہے،حدیث شریف میں اس کی صراحت موجود ہے،صحیح مسلم کی روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع فرمایا تھا،اب تم زیارت کیا کرو،کہ اس سے آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔(صحیح مسلم حدیث نمبر:۹۷۷) یہ روایت عام ہے اور ہر وقت کو شامل ہے،لیکن اس خاص رات سے متعلق بھی یہ عمل ثابت ہے،آپ ﷺ کے جنت البقیع جانے کا واقعہ حضرت عائشہ اس طرح بیان کرتی ہیں:

ایک شب (پندرہویں شعبان) حضور ﷺ میرے گھر تشریف لائے اور لباس تبدیل فرمانے لگے،لیکن پورا لباس اتارنہ تھا کہ پھر آپ ﷺ کھڑے ہوگئے اور لباس زیب تن فرمایا،آپ کے جانے کے بعد میں بھی پیچھے پیچھے چلی حتی کہ میں نے آپ ﷺ کو بقیع الغرقد (جنت البقیع) میں اس حال میں دیکھا کہ آپ ﷺ مسلمان مرد وعورت اور شہداء کے لئے مغفرت کی دعا کررہے تھے۔(سنن ترمذی)

اس روایت سے پندرہویں شعبان کی شب قبرستان جانے کا ثبوت ملتا ہے،مگر یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ آپ ﷺ تنہا تشریف لے گئے،حضرت عائشہ تک کو نہیں بتایا ،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبرستان جانا چاہیے،مگر یہ عمل انفرادی طور پر ہو،اس کا اعلان یا اہتمام نہ ہو۔

اورسنتوں کی پرواہ نہیں کرتے۔(الآثارالمرفوعہ ص:۷۲)

شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں: اور بدعت شنیعہ میں وہ رسم ہے جس کا اکثر بلاد ہند میں لوگوں نے رواج بنا رکھا ہے، یعنی چراغاں کرنا اور اس کو مکانوں اور دیواروں پر رکھنا اور اس پر فخر کرنا، آتش بازی کے ساتھ لہو ولعب کے لئے جمع ہونا، معتبر کتابوں میں ان چیزوں کی کوئی اصل نہیں ہے، بلکہ غیر معتبر کتابوں میں بھی نہیں، اور کوئی ضعیف اور موضوع روایت تک اس بارے میں وارد نہیں ہوئی اور نہ اس کا بلاد ہند کے سوا کسی ملک میں رواج ہے، نہ حرمین شریفین میں- زادہما اللہ تعظیماً وشرفاً- اور نہ ان کے علاوہ عرب کے دیگر حصوں میں اور نہ بلاد عجم میں سوائے ہندوستان کے، ممکن بلکہ ظن غالب ہے کہ ہندوؤں کی رسم دیوالی سے اس رسم کو لیا گیا ہے۔(ماثبت بالسنۃ بایام السنۃ)

☆ بہت سے علاقوں میں اس موقع پر گھروں کی صفائی کو ضروری سمجھتے ہیں، اور کھانے کا خوب اہتمام کیا جاتا ہے، مرغن اور لذیذ کھانے پکائے جاتے ہیں، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ان چیزوں کو بدعات میں شمار کیا ہے اور کفار کے رسم کی نقل بتایا ہے۔(دیکھئے اصلاح الرسوم ص:۱۳۳۔۱۳۴)

☆ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں اس رات روحیں گھر آتی ہیں، یہ بھی غلط عقیدہ ہے، اور ہندوانہ تصور ہے، انسان کے مرجانے کے بعد دوبارہ اس کی روح دنیا میں کبھی واپس نہیں آسکتی، مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس کی وضاحت کی ہے۔(اصلاح الرسوم ص:۱۳۲)

خلاصہ یہ کہ شب برأت کی فضیلت ثابت ہے، اس کا انکار درست نہیں ہے، اس رات عبادت کا اہتمام ہونا چاہیے، نوافل، ذکر واذکار، دعاومناجات، جتنا کرسکیں کرنا چاہیے، یہ ساری چیزیں انفرادی ہوں اجتماعی نہیں، اس رات کوئی خاص عبادت ثابت نہیں ہے، اس لئے کسی چیز کو ضروری سمجھنا صحیح نہیں ہے، فضیلت کی رات ہے، برکت والی رات ہے، اللہ کی خاص رحمتیں نازل ہوتی ہیں، پوری رات رحمت خداوندی متوجہ رہتی ہے، دعائیں قبول ہوتی ہیں، اس لئے اس رات کو غنیمت جاننا چاہیے، اور جس قدر ممکن ہو اللہ

ز کرنا ہیے، کہ بدعات گمراہی ہے۔

اہد حسین ندوی

ریری، معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

ں پیداکردہ انسانی مصائب وآلام ،ظلم

داستان رہی ہے،انگریزوں کے پنجۂ

ں ہی ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان

نظرنامہ تیارکیا گیاجو برصغیر ہندو پاک میں

ں وعناداورنفرت وعداوت کا یہ ایسا سموم

بزوشاداب گلستانوں کوخاکستر کر کے رکھ

خ نہال غم'' بادسموم کے آتشیں جھونکوں کی

تھی اپنے چمنستان محبت کے تاراج کئے

کی گرم بازاری ،اورانسانی شقاوت وسنگ

سانی ظرف وضمیر کے بدلتے رنگ وروپ

تھا نوع انسانی کواس کے مقام ومرتبے کی

ت وانسانیت کی لازوال قدروں کی تب

ں غم'' معروف وممتازشاعر کلیم احمد عاجز کی

لال ، بلند نظری وعلوہمتی ،حمیت وخودداری

و بہبود انسانیت اور عظمت کردار وعمل کے

شاعر کا ضبط وتحمل ،اس کی عالی ظرفی وبلندنگاہی اوراخلاص ومروت نے اس کی زندگی کے المیہ اورغم واندوہ کے امنڈتے ہوئے جذبات کوانسانی فلاح وبہبود، اس کی خیر طلبی وخیراندیشی اورانسانیت سازی وانسان نوازی میں تبدیل کردیاہے،اس کا دل دردمند حالات ووقت کے پیچ وخم کودرست کرنے اورزمانہ کے گیسوئے برہم کوآراستہ کرنے میں پورے عزم کے ساتھ مصروف عمل نظر آتا ہے۔

شاعر کواپنا متاع غم اس لئے عزیز تر ہے کہ یہی وہ قوت ،وہ توانائی اوروہ تحریک ہے جونہ صرف انسانیت کی چارہ سازی اورمسیحائی کرسکتی ہے بلکہ زندگیوں میں عہدآفریں انقلاب پیدا کرسکتی ہے، دوغزلوں کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

غم دل ہی غم دوراں غم جانانہ بنتا ہے
یہی غم شعر بنتا ہے یہی افسانہ بنتا ہے
اسی سے گرمیِ دار و رسن ہے انقلابوں میں
بہاروں میں یہی زلف وقد جانانہ بنتا ہے
سروں کے خُم صراحی گردنوں کی جام زخموں کے
مہیا جب یہ ہولیتے ہیں تب میخانہ بنتا ہے

....

جب تک ہم اہل درد پکارے نہ جائیں گے
گیسو تیرے کسی سے سنوارے نہ جائیں گے
بازی وفا کی ہار کے پیارے نہ جائیں گے
کیا دن ترے ستم کے گزارے نہ جائیں گے

شاعر کی فراخ دلی ،کشادہ قلبی اورمحبت ومروت کا دائرہ صرف دوستوں اورعام انسانوں تک محدود نہیں، بلکہ اپنے دشمنوں ، جفاکاروں اورزخم پہونچانے والوں کی بہی خواہی کا جذبہ بھی اس کے دل میں موجزن ہے اوراپنے فیضان محبت ومروت سے انہیں

ی روشن وآراستہ دیکھنا چاہتا ہے،اشعار

ہ ارباب حرم چاہیں
ہے اس کو ہم چاہیں
ے کیا چشم کرم چاہیں
ہی کو اے صنم چاہیں

طرح مجھے ناامید بنادیا
کہ نباہ کرکے دکھادیا
یہ شعار اپنا قدیم ہے
ں اک چراغ جلادیا
ری انسانیت کی آبرو اور اس کا ناموس ہے
ت ہے،کلیم عاجز کے یہاں یوں تو یہ پیغام
ں منظر میں، پیار بھرے اسلوب میں یہ

دوستوں کبھو رکھیو
اپنی آبرو رکھیو
ینہ کی خو رکھیو
ب کے روبرو رکھیو

م رکھیو،رابطہ رکھیو
ے نہ امید وفا رکھیو

کچھ انداز خرد رکھیو جنوں کی کچھ ادا رکھیو
نظر ہوشیار رکھیو دل کو دیوانہ بنا رکھیو

کلیم عاجز کے یہاں ایسی معیاری اور ولولہ انگیز غزلوں کی کمی نہیں ہے جن میں شعری جمال وجلال کے ساتھ ندرت فکر وخیال کا ایک سیل رواں نظر آتا ہے، بطور مثال دو غزلوں کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

نظر کو آئینہ دل کو ترا شانہ بنادیں گے
تجھے ہم کیا سے کیا اے زلف جانانہ بنادیں گے
ہمیں اچھا ہے بن جائیں سراپا سرگذشت اپنی
نہیں تو لوگ جو چاہیں گے افسانہ بنادیں گے

.....

تمہاری طرح زلفوں میں شکن ڈالے نہیں ہیں ہم
کہیں گے بات سیدھی پیچ وخم والے نہیں ہیں ہم
گلوں کی طرح ہم نے عمر کانٹوں میں گزاری ہے
ہیں اہل نازلیکن ناز کے پالے نہیں ہیں ہم

کلیم عاجز کی پوری شاعری اپنے عہد کی تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے، اپنے زمانہ کے حالات وکوائف اور وقت کی رفتار وکردار کو مجسم اور متحرک تصویروں کی شکل میں پیش کرنے میں کلیم عاجز کو جو ملکہ اور مہارت حاصل ہے وہ کہیں اور نظر نہیں آتی، اور ان کا یہ کمال فن آپ بیتی کو جگ بیتی اور جگ بیتی کو آپ بیتی بنادیتا ہے، مخصوص زبان واسلوب میں کچھ غزلوں کے اشعار ملاحظہ ہوں:

اس ناز اس انداز سے تم ہائے چلو ہو
روز ایک غزل ہم سے کہلوائے چلو ہو
رکھنا ہے کہیں پاؤں تو رکھو ہو کہیں پاؤں

تو اترائے چلو ہو

اوقات کرو ہو
طرح بات کرو ہو
تم رات کرو ہو
ی تم مات کرو ہو
مون آفرینی، کلیم عاجز کی شاعری کا خاص
نہوم کا سمندر کوزہ میں میں ڈھل ڈھل

ساں نہیں ہے
ناں نہیں ہے
ں نہیں ہے
ساں نہیں ہے
ریہ خوبی، گھلاوٹ اور پیار بھرے اسلوب

ی کل کی بات ہے
ھی کل کی بات ہے
کہو اجنبی کہو
کل کی بات ہے
لشی وسحر انگیزی اور رواں دواں الفاظ کے

ہنر دکھا بھی گئے

الاپ بھی گئے ،رو بھی گئے، رلا بھی گئے
غزل بھی پڑھ گئے محفل کو سنسنا بھی گئے
اک آگ لائے بھی، لے بھی گئے، لگا بھی گئے

میرؔ کے عہد کی زبان، غمناک لب ولہجہ اور پرسوز اسلوب کے پردہ میں بھی کلیم عاجز کے افکار وخیالات داخلی جذبات واحساسات کے حصار تک محدود نہیں رہتے بلکہ حالات وواقعات کو شعر کے قالب میں اس طرح ڈھالتے ہیں کہ غم دل اور غم دوراں کا امتیاز باقی نہیں رہتا اور شاعر کی آواز ہر دل کی آواز بن جاتی ہے، دو غزلوں کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

بلاتے کیوں ہو عاجزؔ کو بلانا کیا مزا دے ہے
غزل کم بخت کچھ ایسی پڑھے ہے دل ہلا دے ہے
محبت کیا بلا ہے چین لینا ہی بھلا دے ہے
ذرا بھی آنکھ جھپکے ہے تو بے تابی جگا دے ہے

.....

زخم دل کا وہ نظارہ ہے کہ جی جانے ہے
اتنا احسان تمہارا ہے کہ جی جانے ہے
دیکھنا پھر کہیں زلفیں نہ پریشان ہو جائیں
اتنا مشکل سے سنورا ہے کہ جی جانے ہے

شاعر کی قادر الکلامی اور زبان پر گرفت کا یہ عالم ہے کہ پہلے مصرعہ میں استعمال ہونے والے لفظوں کے الٹ پھیر سے دوسرا مصرعہ یوں مرتب ہوتا ہے کہ چونکا دینے والی معنویت اور نیا مفہوم ومضمون سامنے آجاتا ہے، یہ ایک خاص صنعت ہے جو کلیم عاجز کی شاعری میں نظر آتی ہے، بطور مثال چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بہت دیکھا ہے دل اہل کرم کا ہم فقیروں نے

اگر اہل کرم چاہیں
ہیں دن گزرتے ہیں
گزاریں جیسے ہم چاہیں
وعۂ کلام اور کچھ دوسرے مجموعۂ کلام سے
ہیں کیا گیا ہے، دنیائے شاعری کے اس
کے دھارے بہائے ہیں دیکھنا باقی ہے۔

ہار، وفات: ۱۵/فروری ۲۰۱۵ء

نظام تعلیم کی ثنویت اور اسلام

محمد مجاہد ندوی
صدر اسلامک اسٹڈیز
ارقم پبلک اسکول, ناگپور، مہاراشٹر، انڈیا
Emil:mmujahidnadwi99@gmail.com

نظام تعلیم کو کسی بھی قوم کی بقا، تحفظ اور ترقی میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ نظام تعلیم نئی نسلوں تک قومی ورثہ کو منتقل کرنے اور انہیں قوم کے عقائد وتصورات، خیالات و نظریات اور تہذیب وثقافت کا امین اور سچا وارث بنانے کا اہم ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے تعلیمی نظام کو جامع، متوازن اور مؤثر بنانے پر خصوصی توجہ مرکوز کی، مسلمانوں نے جو نظام تعلیم قائم کیا تھا وہ کبھی بھی جمود وتعطل کا شکار نہیں ہوا، اس کی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے دین کے اصل مزاج ومقصد کو باقی رکھتے ہوئے زمانہ کے تغیرات سے اپنے آپ کو ہم آہنگ رکھا، انہوں نے اپنے تعلیمی نصاب میں زمانہ کے مروجہ علوم کو جگہ دی، اور اسے اپنے زمانے کا سب سے زیادہ مؤثر اور زمانہ کے تقاضوں سے ہم آہنگ (Up to date) تعلیمی نظام ونصاب کے طور پر باقی رکھا۔ مسلمانوں نے اپنے نظام تعلیم کو مؤثر بنانے کے لیے جہاں دیگر تعلیمی امور کو ملحوظ رکھا وہی انہوں نے اپنی دینی و دنیوی تمام ضروتوں کی تکمیل کے لیے ایک ہی نظام تعلیم ترتیب دیا۔ ان کے نظام تعلیم میں صرف دینی علوم شامل نہیں تھے بلکہ وہ تمام جدید علوم اور مہارتیں شامل تھیں جن کی مسلم معاشرے کو ضرورت تھی۔

مسلمانوں نے جو نظام تعلیم قائم کیا تھا اس میں دینی وعصری علوم ساتھ ساتھ پڑھائے جاتے تھے۔ مسلمانوں میں دینی مدارس اور غیر دینی مدارس کا کبھی بھی کوئی تصور نہیں رہا۔ انہوں نے جو نظام تعلیم قائم کیا تھا وہ ان کی دین ودنیا دونوں کی ضروریات کو پوری کرتا تھا، چنانچہ ایک ہی تعلیمی ادارے کے فارغین میں ماہر علماء بھی ہوتے تھے اور

مسلمانوں کی مساجد میں امامت وخطابت
جام دیتے تھے، جبکہ زندگی کے دوسرے
خدمات انجام دیتے تھے۔اس طرح سے
ں کی دینی ودنیوی ضروریات پوری ہوتی

ے مسلمانوں میں رائج رہا، جس کے مثبت
ک مسلمانوں میں یہ نظام قائم رہا مسلمان
ہیں تھے۔اوراس نظام تعلیم نے مسلمانوں
س دنیوی تقاضے بھی۔ان میں بڑی بڑی
ک فتح ہوئے، نئی تہذیب وتمدن کی بنیاد
اسی نظام تعلیم سے مہیا کیے گئے۔
یہ تھا کہ جوافراد دنیا کے دیگر شعبوں میں
پیدا کر کے سول سروس اور ایڈمنسٹریشن
ضرورت دین کی بنیادی تعلیمات عقائد،
ی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، صحابۂ کرام کے
تے تھے۔اور شریعت کے بنیادی مقاصد
ح جو حضرات دینی علوم میں تخصص کرتے
فریضہ انجام دیتے تھے وہ بقدر ضرورت
ف ہوتے تھے اور اپنے زمانے کے لوگوں
کا نتیجہ تھا کہ علماء کرام اور جدید تعلیم یافتہ
قائم تھی۔علماء کرام جدید طبقے کی الجھنوں
ب میں، جدید ضروریات کے پیش نظر اور

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کی رہنمائی کے فرائض انجام دیتے تھے۔اور جدید تعلیم یافتہ حضرات میں خدا کا خوف، فرائض وواجبات کی ادائیگی، دین سے وابستگی اور اس کی تئیں احترام ومحبت کے جذبات پائے جاتے تھے۔

برصغیر میں بھی انگریزوں کی آمد سے قبل جو نظام تعلیم رائج تھا اور جسے ''درس نظامی'' سے موسوم کیا جاتا تھا اس میں بھی کسی قسم کی کوئی تقسیم نہیں تھی۔ اس میں جہاں دینی علوم پڑھائیں جاتے تھے وہی عصری علوم بھی اس کے نصاب میں شامل تھے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی فرماتے ہیں:

''ہندوستان میں جو نظام تعلیم کئی صدیوں سے چلا اور جس کو آخری دور میں درس نظامی سے موسوم کیا جانے لگا، اس کو ترکستان وایران میں بھی قبول کیا گیا، اس میں بھی کسی قسم کی تقسیم نہیں تھی، وہ نظام تعلیم یہاں ہر قسم کی ضرورت کے اشخاص پیدا کرنے کا ذمہ دار تھا، یعنی وہ جہاں علماء وفقہاء اور مفتی پیدا کرتا تھا، اور اس وقت کی سلطنت کو قاضی اور ماہرین فقہ مہیا کرتا تھا، وہاں ایڈمنسٹریشن اور سول سروس کے ماہرین بھی تیار کرتا تھا، اس نظام تعلیم کے علاوہ کوئی دوسرا نظام تعلیم اس ملک میں موجود نہیں تھا جو خاص قسم کے اشخاص پیدا کرے، ان تمام تمدنی، تعلیمی، اخلاقی اور اجتماعی ضروریات کے لیے ایک ہی نظام تعلیم پر انحصار تھا۔(۱)

مشترکہ نظام تعلیم کا یہ سلسلہ ہندوستان میں صدیوں جاری رہا، اور اس سے علماء و فقہاء اور دنیاوی شعبوں کے ماہرین بھی پیدا ہوتے رہیں، چنانچہ مغلیہ دور میں جس درس گاہ نے، جس نظام تعلیم اور نصاب تعلیم نے مجدد الف ثانی جیسا شخص پیدا کیا، (جس کے بارے میں علامہ اقبال مرحوم نے فرمایا: مسلم ہندوستان نے سب سے بڑا جو مذہبی عبقری پیدا کیا، وہ شیخ احمد سرہندی تھے)، اسی نظام میں نواب سعداللہ خان بھی تیار ہوا تھا جو مجدد صاحب کا کلاس فیلو تھا اور جو سلطنت مغلیہ کا وزیر اعظم بنا۔ وہ سلطنت مغلیہ جو موجودہ افغانستان، پاکستان، ہندوستان، نیپال، بنگلہ دیش، سری لنکا، بھوٹان، سکم، برما، ان سب

نے شاہ جہاں کے زمانے میں کامیابی سے
ایا، یہ بھی مجدد صاحب کا کلاس فیلو تھا۔ یہ
ی درس گاہ کے پڑے ہوئے تھے۔ اب
ین سلطنت کو اس کے کامیاب ترین ادوار
دکھایا، دوسرا وہ شخص جو ہندوستان کی تاریخ
بیان کرنا دشوار ہے اور جس نے برصغیر کی
ینی تحریک اور کوئی دینی سرگرمی اس کے اثر
سرا وہ شخص جس نے دنیا کے سات عجائب
صاب کے پڑے ہوئے اور ایک ہی تعلیمی

نتر کہ نظام تعلیم کا یہ سلسلہ قائم رہا۔ لیکن
کے نام سے انگریزوں نے ہندوستان پر
نے ہی انگریزوں سے مقابلہ کیا اور انہیں
المقدور کوششیں کی، لہذا جب انگریزوں
ساتھ جم گئے تو انہوں نے سب سے پہلے
ین سے ہٹانے اور ان کی دینی حمیت کو ختم
ان پاک کے نسخے جلائے، ہزاروں علماء کو
ے جرم میں قید کیا گیا اور بے شمار علماء کرام کو
کر دیا گیا۔ دوسرا کام انگریزوں نے یہ کیا
ی جگہ ایک بے دین (Secular) نظام
ئی جگہ نہیں تھی اور جس کا مقصد ایسے افراد
وستانی ہو مگر دل و دماغ اور فکر و سوچ کے

اعتبار سے انگلستانی ہو۔ یہ نظام تعلیم انگریزوں نے ان کے مخصوص نظریات کے مطابق اور اپنی مخصوص ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے قائم کیا تھا۔

جب انگریزوں نے برصغیر میں مسلمانوں کے نظام تعلیم کو ختم کر کے ایک سیکولر نظام تعلیم نافذ کر دیا تو علماء کرام اور مسلمان مفکرین کو شدت سے اس بات کا احساس ہوا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا سیاسی زوال ہو چکا ہے اور اب مسلمانوں کے دین و مذہب اور تہذیب و ثقافت کی خیر نہیں ہے، اور یہاں مسلمانوں کے اسلامی تشخص کا باقی رہنا بھی محال ہے، اس خطرے کا سد باب کرنے کے لیے انہوں نے سب سے پہلے تعلیم کی طرف توجہ کی۔ چنانچہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حاجی عابد حسین اور ان کے بعض رفقاء نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی، تاکہ کم سے کم مسلمانوں کے دینی سرمائے کی حفاظت کی جا سکے، اور اسلامی تشخص کو باقی رکھا جا سکے۔ دینی علوم کو زندہ رکھنے اور پڑھنے پڑھانے کا انتظام کیا جا سکے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلّہ فرماتے ہیں:

''انگریزی استعمار کے آنے سے پہلے سارے مسلمانوں کا ایک ہی نظام تعلیم ہوا کرتا تھا، اور درسِ نظامی میں جہاں دین پڑھایا جاتا تھا وہاں دین کے ساتھ عصری علوم بھی پڑھائے جاتے تھے اور ایک خاص سطح تک دین کی بنیادی تعلیمات حاصل کرنے کے بعد تمام علوم میں جو شخص اختصاص پیدا کرنا چاہے اس کے لئے راستے موجود تھے، لیکن دین کی بنیادی معلومات ہر ایک کو حاصل ہو جاتی تھیں، یہ طریقہ تھا جو اسلاف کے وقت سے انگریزوں کے استعمار کے آغاز تک چلا آیا لیکن انگریزوں کے استعمار کے آنے کے بعد چونکہ سرکاری تعلیمی اداروں سے اسلام اور دین کو دیس نکالا دے دیا گیا اور اس میں اسلام کی تعلیم کا کوئی قابلِ ذکر حصہ موجود نہیں تھا، اس لئے علماء کرام مجبور ہوئے کہ وہ دارالعلوم دیوبند قائم کر کے کم از کم اسلامی علوم کو ہی سمیٹ کر بیٹھ جائیں، ان پر معاش کے دروازے بند کئے گئے، انہوں نے قربانیاں دیں، انہوں نے فقر و فاقہ برداشت کیا، موٹا

علوم کو محفوظ کیا، کہ جب کبھی ضرورت پیش

کہ دینی علوم کا نمائندہ تھا، بعض مسلمان
ید تعلیم کا بھی انتظام کیا جانا چاہیے تا کہ
ں پڑھیں اور زمانہ سے پیچھے نہ رہیں، اس
ی گڑھ میں ایک مسلم یونیورسٹی کا قیام عمل
یں ہوگئیں اور ان کے تعلیمی نظام نے دو
نے دارالعلوم دیوبند کے طرز پر سارے
توجہ دینی علوم کی تعلیم پر مرکوز کردی۔ اس
تعلیم کی طرف متوجہ ہوا اور انہوں نے اپنا
سے بے شمار مسلم اسکولوں اور کالجوں کا قیام

سلمانوں کے نظام تعلیم میں وحدت نہ رہی
م کے درمیان دوئی پیدا ہوگئی، دینی مدارس
م نے متوازی رخ اختیار کرلیا۔

جودو تعلیمی ادارے قائم کیے ان دونوں
دی دونوں ضرورتوں کو پورا کیا۔ دارالعلوم
کیا، اس نے مسجدوں کو امام وخطیب مہیا
ان علماء کرام پر معاش کے دروازے بند
، انہوں نے اس راہ میں بے شمار قربانیاں
کر دینی علوم کو محفوظ کیا اور مسلمانوں کے

اسلامی تشخص کو باقی رکھنے میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔ اور علی گڑھ نے مسلمانوں کی دنیوی ضرورتوں کو پورا کرنا شروع کردیا، اور خاص طور سے سرکاری ملازمتوں کے دروازے ان پر کھولدیے۔ ان وجوہ کی بنا پر دیوبند اور علی گڑھ ہی مسلمانوں کے لیے نمونہ بن گئے اور نظام تعلیم کی ثنویت کو مسلمانوں نے قبول کرلیا۔ لیکن چونکہ نظام تعلیم کی اس ثنویت کو چند ناگزیر اسباب اور ہنگامی حالات کے پیش نظر قبول کرلیا گیا تھا۔ ورنہ یہ کوئی مثالی نظام تعلیم نہیں تھا کہ اس کو زیادہ عرصہ تک باقی رکھا جاتا۔ لہذا جہاں اس کے بہت سے مثبت اثرات رونما ہوئے وہاں مسلم معاشرے میں اس ثنویت کے بہت سے منفی اثرات بھی مرتب ہوئے۔

دینی و دنیوی علوم کی تفریق کا ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ ایک طرف عصری اداروں کے تربیت یافتہ افراد کا حال یہ ہوگیا کہ وہ ایک ماہر ڈاکٹر، انجینئر یا دیگر عصری علوم کے ماہر تو ہوجاتے ہیں لیکن اسلام کی بنیادی تعلیمات سے بھی ناواقف رہتے ہیں۔ اسلام میں کیا حرام ہے؟ کیا حلال ہے؟ کیسی زندگی انسان کو کامیاب کرتی ہے؟ اور مسلمان کی حیثیت سے زندگی گزارنے کے کم کم تقاضے کیا ہیں؟ وغیرہ۔ ان تمام باتوں سے اس طبقہ کے اکثر و بیشتر افراد ناواقف ہی رہتے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ عصری اسکولوں اور کالجوں میں انگریزوں کا بنایا ہوا نظام تعلیم رائج ہے، جو مغربی فکر و فلسفہ اور مغرب کی خدا بیزار اور مادی ذہنیت پر مبنی ہے۔ لہذا اس نظام تعلیم میں پروان چڑھ کر ایک مسلمان بچہ غیر شعوری طور پر مغرب کے افکار اور اس کے طرز زندگی سے مرعوب ہونے لگتا ہے اور مغربی تہذیب و ثقافت کی نقالی شروع کردیتا ہے۔ جبکہ اسلام کی تعلیمات کو دقیانوس اور فرسودہ اور انہیں دنیوی ترقی میں رکاوٹ سمجھنے لگتا ہے۔ دوسری طرف دینی مدارس کے فارغ التحصیل حضرات جنہوں نے مدرسہ کے ایک خاص ماحول میں محض دینی علوم کو حاصل کیا ہوتا ہے، ان کا حال یہ ہے کہ وہ عصری علوم اور زمانہ کے اسلوب سے ناواقف ہوتے ہیں، دنیا کیا سوچتی؟ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی نفسیات کیا ہیں؟ عصر حاضر کے تقاضے اور چیلنجز کیا ہیں اور

اس کے ذہن میں برپا ہوجاتا ہے۔ وہ خیال کرنے لگتا ہے کہ دنیا کسی اور چیز کا نام ہے اور دین کسی اور چیز کا، اور دونوں ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ اب اگر مذہبی جذبات اس پر غالب آجاتے ہیں اور وہ نوجوان مذہبی زندگی کو اختیار کرلیتا ہے تو پھر دنیا کی چیزوں کو غیر اہم سمجھنے لگتا ہے اور اس کے امور کی انجام دہی کو دنیا داری سمجھ کر اس سے لاتعلق ہوجانا چاہتا ہے۔ اور اگر اس پر دنیاداری کا غلبہ ہوجاتا ہے تو وہ دین سے آزاد ہوجاتا ہے، اس کی تعلیمات کو اپنی ترقی میں رکاوٹ سمجھتا ہے اور فرائض وواجبات اور ممنوعات ومحرمات کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔

اس صورت حال نے مسلم معاشرے میں فکری انتشار، ذہنی کشمکش اور انتہاء پسندی کو جنم دیا ہے جس کی بنا پر ایک اسلامی شخصیت منتشر ہوکر رہ گئی ہے، اسلامی تشخص مجروح ہوگیا ہے اور ایسے کامل اور متوازن افراد پیدا نہیں ہورہے ہیں جنہیں دین کی بھی خبر ہو اور دنیا کی بھی، جو خالق کے حقوق کو بھی جانتے ہو اور مخلوق کے بھی اور جو دنیوی امور کو دین کی روشنی میں اور اپنے خالق کی منشا کے مطابق انجام دیتے ہو۔

ایک متحدہ نظام تعلیم کے قیام کی ضرورت

نظام تعلیم کی ثنویت کے جو منفی اثرات مسلم معاشرے پر مرتب ہورہیں اور اس کے نتیجہ میں مسلم معاشرہ جس ناگفتہ بہ صورت حال سے دوچار ہے، اس کی محض چند جھلکیوں کو ہی پیش کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے ورنہ اس کا نقصان اس سے کہیں بڑھ کر ہے اور یہ سلسلہ مزید وسیع ہوتا جارہا ہے۔ اس کشمکش کو دور کرنے اور اس ناگفتہ بہ صورت حال کو تبدیل کرنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ جتنی جلدی ہوسکے موجودہ نظام تعلیم کی ثنویت کو ختم کرکے ایک ''مشترکہ نظام تعلیم'' قائم کردیا جائیں۔

نظام تعلیم کو متحد کرنے اور اس میں موجود دین ودنیا کی تفریق کو ختم کردینے کی ہماری یہ آواز نئی نہیں ہے بلکہ اکابر علماء کرام، اور دیگر ماہرین تعلیم کو بھی نظام تعلیم کی ثنویت اور مسلم معاشرے پر اس کے منفی اثرات کا احساس تھا۔ چنانچہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود

ن احمد مدنی، حضرت مولانا مناظر احسن
ی، جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی اور ان
جودہ نظام تعلیم کی تبدیلی کی آوازیں بلند
ی فرما چکے ہیں۔
ی رحمۃ اللہ علیہ دینی وعصری دونوں علوم کی
دینی علوم کے طلبہ کو عصری علوم کے حصول
ہتے تھے کہ عصری علوم کے طلبہ دینی علوم
والوں سے مل کر باقاعدہ یہ معاہدہ کیا کہ
دید علوم حاصل کیا کریں گے اور اسی طرح
۔(۴)
ۃ اللہ علیہ اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''
کے حصہ دوّم میں لکھتے ہیں:
ں رکھتا ہوں اور تفصیلی ذکر جن کا اپنی کتاب
) میں، میں نے کیا ہے ان کا خلاصہ صرف
ظام (حکومت مسلطہ) کے قیام کے بعد
رف ایک ہی نظام کو قبول کر لیا جائے۔ اسی
ت تعلیم'' رکھا ہے۔(۵)
فرماتے ہیں:
عاشرہ میں نافذ ہونا، اس معاشرہ کی سب
ی مشکلات میں مبتلا کر دینے کے لیے کافی
اور ہندوستان کے باہر مشرق وسطیٰ کے
۔ میں بھی اس پر اظہارِ خیال موجود ہے،

جہاں تک مجھے معلوم ہے ہندوستان میں سب سے پہلے مولانا مناظر احسن گیلانی نے اس مسئلہ پر اظہارِ خیال فرمایا، ۱۹۵۱ء میں جب مجھے مصر جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں کے ایک عرب فاضل اور بڑے تجربہ کار معلم ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ نے پہلی مجلس اور پہلی ملاقات میں اس پر گفتگو کی، حقیقتاً یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اس پر بہت اطمینان کے ساتھ تبادلۂ خیال ہونا چاہیے۔(۷)

آگے چل کر فرماتے ہیں:

''یہ ذہنی انتشار اور جو کشمکش آپ کو معاشرہ میں نظر آتی ہے، جس کے مظاہر ہم کو زندگی کے مختلف شعبوں میں نظر آتے ہیں، یہ اس دوئی اور اسی دو متوازی نظام تعلیم کا نتیجہ ہے۔''(۸)

مذکورہ بالا اقتباسات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اکابر علماء کرام اور اہل فکر و دانش کو بھی اس امر کا بخوبی احساس تھا کہ مسلمانوں کے نظام تعلیم کے موجودہ ڈھانچے اور اس کی ثنویت نے امت میں بہت سے مسائل کو جنم دیا ہے، اور وہ حضرات اس بات کے خواہاں ہے کہ جلد از جلد اس ثنویت کو ختم کر کے ایک ''مشترکہ نظام تعلیم'' قائم کر دیا جائیں۔

درحقیقت جس امر کی ضرورت ہے وہ یہ کہ قدیم اور جدید نظام تعلیم کی وجہ سے جو ثنویت ہمارے یہاں رائج ہوگئی ہے اس کو ختم کر دیا جائیں اور ان دونوں تعلیمی نظاموں کے مقابلہ میں ایک تیسرا نظام تعلیم قائم کیا جائیں جس میں قدیم اور جدید دونوں نظام تعلیم کی خوبیاں موجود ہو۔ جہاں دینی علوم اور عصری علوم کی تعلیم یکساں طور پر دی جائے، تمام عصری علوم اور مہارات کو اسلامی تناظر میں پیش کیا جائے۔ تاکہ ہماری دینی ضروریات بھی پوری ہو جائے اور عصری ضروریات بھی، یہی نظام تعلیم مسلمانوں کے لیے امام، مفتی اور علماء دین پیدا کرے، اور حکومت و ریاست کا نظم و نسق چلانے کے لیے ماہر افراد بھی یہی مہیا کرائے جائے۔

کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ دینی علوم کا
ہے کہ وہ دینی علوم کے ساتھ ساتھ انجینئر یا
فتہ حضرات کو اتنا علم حاصل ہو جائے جسے
اسے معلوم ہو کہ اسلام کے بنیادی احکام
طرح جو لوگ دینی علوم میں اختصاص کی
طالعہ کر چکے ہو، جدید لب و لہجہ اور جدید
جانتے ہو اور لوگوں کے مزاج و مذاق سے

دوررس اثرات مرتب ہوں گے اور مسلم
س نظام تعلیم سے فارغ التحصیل علماء کرام
علیم یافتہ افراد کو ان کی زبان اور اسلوب
ں؟ اور اسلام نے ان کے حل کے لیے کیا
نیورسٹی کے قانون کے پروفیسر اور ماہرین
س گے کہ اسلام کا قانونی اور معاشی نظام
۔ نیز ہمارے اس دور میں اس کے نفاذ کی
نئر اور دیگر عصری شعبوں کے ماہرین پیدا
مہارت رکھنے کے ساتھ بنیادی اسلامی
ن سے باخبر ہوں گے۔ اور کائنات پر غور
جوڑ کر کائنات کی روحانی تعبیر کریں گے۔
ط ہوگا، دونوں کے مابین افہام و تفہیم کی فضا
ملے میں علماء کرام سے دینی رہنمائی حاصل
شعبے میں دین داخل ہو جائیگا اور دنیا کو دین

کی روشنی میں برتا جائیگا۔ اس کے نتیجہ میں ایک معتدل اور متوازن اسلامی شخصیت کا ظہور ہوگا، ایک ایسی اسلامی شخصیت جو دین و دنیا کے حسین امتزاج کا دلکش نمونہ، خلافت ارضی کے منصب کی حامل اور اس اعلیٰ منصب کے تقاضوں سے عہدہ برآں ہونے کے احساس اور استعداد سے آراستہ ہو۔

حواشی

۱۔ نظام تعلیم: مغربی رجحانات اور اس میں تبدیلی کی ضرورت از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، صفحہ: ۶۹۔

۲۔ ماہنامہ ''الشریعہ'' گوجرانوالہ، شمارہ مارچ ۲۰۰۵ء: صفحہ ۱۴۔ خطاب از ڈاکٹر محمود احمد غازی۔

۳۔ ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی شمارہ شعبان ۱۴۳۶ھ۔ خطاب از مولانا مفتی محمد تقی عثمانی بموقع سالانہ تقریب جامعۃ الرشید کراچی۔

۴۔ موج کوثر از شیخ محمد اکرم: صفحہ ۲۰۳۔ بحوالہ ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل از ڈاکٹر محمد امین: صفحہ ۱۳۳۔

۵۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت (جلد دوم)، صفحہ: ۵۔

۶۔ مقدمۂ کتاب؛ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت۔

۷۔ نظام تعلیم: مغربی رجحانات اور اس میں تبدیلی کی ضرورت از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، صفحہ: ۶۹۔

۸۔ ایضاً

کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ مان
حکم دیا کہ پانی سے بھری مشک لائی جائے
بندھوادی، اور کہا کہ اس مشک کے ساتھ
ایک دن گزرا تو وہ شخص بلبلاتا ہوا حاضر
حرکت نہیں کرے گا، حضرت عمرؓ نے پانی
ری رہنے دی، مزید ایک دن بعد وہ شخص
لیا کہ اسے معاف کر دیا جائے، اور مشک
سے کچھ کھا پی سکا ہے، حضرت عمرؓ نے اس
ت نے تجھے پیٹ کے باہر نہیں بلکہ پیٹ
ر رکھا ہے، وہ نہ تو ٹھیک سے سو سکتی تھی، نہ
بت دے کر پیدا ہوا، اور دو سال تک اس کا
اس کا شکر ادا کرنے کے بجائے تیری منھ
ں شکایت موصول ہوئی تو تجھے نشان عبرت

جامعہ ام الخیر نسواں)

دو باتیں

زندگی میں ہمیشہ دو باتیں یاد رکھنا:
جب غصہ آئے تب فیصلہ مت کرنا
جب خوش ہو تو کوئی وعدہ مت کرنا

دنیا کی شاید ہی کوئی کتاب ہو جس نے قرآن حکیم سے زیادہ اس بات پر زور دیا ہو کہ اس کا حقیقی فائدہ صرف اسی صورت میں حاصل کیا جا سکتا ہے جب اس کو پورے غور و تدبر کے ساتھ پڑھا جائے، لیکن یہ عجیب ماجرا ہے کہ یہی ایک کتاب ہے جو ہمیشہ آنکھ بند کر کے پڑھی جاتی ہے، معمولی سے معمولی کتاب بھی پڑھنے کے لئے لوگ کھولتے ہیں تو اس کے لئے سب سے پہلے اپنے دماغ کو حاضر کرتے ہیں، لیکن قرآن کے ساتھ لوگوں کی یہ انوکھی روش ہے کہ جب اس کو پڑھنے کا ارادہ کرتے ہیں تو بالعموم سب سے پہلے اپنے دماغ پر پٹی باندھ لیتے ہیں

(مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن ج ۱، ص: ۴۰)

وسکتا ہے؟ علاج کیا ہے؟

۔حال ہی میں اس کے مشہور شہر برسلز کے
ملوں نے جہاں تین درجن معصوموں کی
غرب میں بڑھتے جارہے اسلاموفوبیا کی
اس کی قریبی کالونی sent jans
عداد میں رہتے ہیں۔اوراب ان کی آبادی
۔بروسلز کے ان حملوں کا مجرم بقراوی
ہے اوردولت اسلامیہ یاISIS نے اس
سے ایک دن پہلے ہی عرب نوجوان صلاح
گرفتار کرلیا گیا تھا وہ ان کا بچپن کا دوست

بتایا جاتا ہے۔ برسلز کے مسلمان طویل مدت سے وہاں رہ رہے ہیں اوران کی نوجوان نسلیں وہاں کے کلچروثقافت میں رنگ چکی ہیں۔وہ ان کا لباس پہنتے اوران کی زبان بولتے ہیں،لیکن اب انہیں یہ تشویش ہے کہ ان کے نوجوانوں میں انتہاء پسندی کے رجحانات کیوں پنپ رہے ہیں! اب یوروپ میں ایک طبقہ تارکین وطن کے سلسلہ میں قوانین سخت کرنے کا مطالبہ کررہا ہے۔شامی مہاجرین جو یوروپ کے کئی ممالک میں دردر بھٹک رہے ہیں ان کو کھدیڑ دینے کی آوازیں اٹھ رہی ہیں۔اندیشہ ظاہر کیا جارہا ہے کہ وہ یوروپ کے کلچر کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں۔امریکہ میں صدارتی امیدوارڈونالڈٹرمپ اوران کے حامی اپنی ہرزہ سرائیوں کوجوازدے رہے ہیں۔CNN کوانٹرویودیتے ہوئے ٹرمپ نے صاف صاف اوربغیر کسی لاگ لپیٹ کے کہا کہ:عرب اورمسلمان ہمارے لیے ایک نفرت اپنے دلوں میں رکھتے ہیں اورہمیں اس نفرت کواپنے گھر آنے سے روکنا چاہیے''۔(راقم نے یہ انٹرویوخودسنا)۔

ان حملوں سے چندسوال بھی اٹھے ہیں جن کا جائزہ لیا جانا چاہیے۔مثلاً عام طور پر پروپیگنڈا کیا جاتا ہے اوراس میں اپنے اورغیر سبھی شامل ہیں کہ علما،مدرسوں کے طلبہ اورمذہب پسند عام طور پر ظلمت پسند،تاریک خیال،متعصب اورلہٰذا متشدد ہیں اوردہشت گردی پھیلاتے ہیں۔ہندوستان وپاکستان کے مدارس اسلامیہ خاص طورر پرنشانہ پررہے ہیں۔ممکن ہے کہ کہیں ایک آدھ کیسے میں مدارس کے لوگ ملوث پائے گئے ہوں ورنہ عموماً اب تک جتنے بڑے بڑے کیس دہشت گردی کے ہوئے ہیں ان میں نہ تو علما اورطلبہ مُدارس ملوث پائے گئے ہیں نہ مذہبی طبقہ کے اورافراد۔اکثر کیسوں میں جدید تعلیم یافتہ ،پڑھے لکھے پیشہ ورانہ مہارت رکھنے والے عناصر ہی پکڑے گئے ہیں۔بقراوی برادرزاورصلاح عبدالسلام کا کیس خوداس کا گواہ ہے۔ایک بڑا معمہ یہ ہے کہ یوروپ اورامریکہ میں اب تک متعدد کیس ایسے سامنے آئے ہیں جن میں شامل مجرم اورخودکش بمبار کبھی بھی مذہب یاروحانیت کے قریب نہیں رہے۔پیرس کے خودکش

گئی کہ صوفیاء کرام تو ہمیشہ اقتدارِ وقت سے کنارہ کشی اختیار کرتے رہے ہیں۔ وہاں تو حا
ل یہ ہوتا تھا کہ بادشاہِ وقت ملاقات کے لیے آتا تو وقت کا شیخ دوسرے دروازہ سے
گھر سے باہر نکل جاتا!

ایک تھیوری یہ دی جاتی ہے کہ غربت، ناداری اور زندگی کی دوڑ میں ناکامی کی وجہ
سے نوجوان مزعومہ جہاد کی طرف راغب ہورہے ہیں۔ لیکن صلاح عبدالسلام اور اس کا
بھائی براہیم تو بڑے ثروت منداور عیاش نوجوان تھے۔ ان کے پڑوسیوں نے بتایا کہ اکثر
جب ان کی گلی کے لوگ نماز کے لیے جمع ہوتے تو یہ دونوں اپنے ٹیرلیس پر ماربیوانا کے
کش لیتے ہوئے دکھائی دیتے۔ صلاح کئی کئی گرل فرینڈز رکھتا تھا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ
بہت سے مغربی نوجوان اپنے گلیمر والے اپنے کلچر سے تنگ آ کر اُس سے بغاوت کر بیٹھتے
ہیں اور رفتہ رفتہ ذہنی ونفسیاتی مریض بن جاتے ہیں جن کو ان کے ممالک کی خفیہ
ایجنسیاں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کررہی ہیں؟ حالانکہ راقم الحروف سازشی تھیوری کا
بالکل بھی قائل نہیں ہے تاہم میرے اس تجزیہ کو اِس حقیقت سے تقویت ملتی ہے کہ بہت
سارے کیسوں میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ خودکش بمبار نئے نئے مسلمان ہوئے تھے
۔محمد امواز ی عرف جہادی جان (برطانوی نژاد) اور ہندنژاد سدھارتھ دھر کے بارے
میں تو خود اکانومسٹ نے رپورٹ شائع کی ہے۔ کیا یہ عجیب نہیں لگتا کہ یہ نومسلم نوجوان
سیدھے القاعدہ اور ISIS میں جا کر بھرتی ہوتے ہیں ''خلافت'' کے قیام کے نعرے
لگاتے اور مغرب کے خلاف اعلانِ جنگ کررہے ہیں؟ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ یوروپی خفیہ
ایجنسیاں اپنے تربیت یافتہ ایجنٹوں کو قبول اسلام کے بہانے مسلم ملکوں میں مسلکی جنگ
کی آنچ کو تیز کرنے اور اسلام پسندوں کی شبیہ مزید داغدار کرانے کے لیے ان سے یہ
کرتوت کرواتی ہوں؟

کہتے سبھی ہیں کہ دہشت گرد کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، اُسے دہشت گرد ہی
قرار دینا چاہیے اور کسی بھی مذہب سے اُس کو نہ جوڑنا چاہیے مگر خواہی نہ خواہی ہر دہشت

ن میں ایک نوجوان کا لائف اسٹائل
نائٹ کلبوں میں شبیں بسر کرنے والا شخص
اور وہاں اس کی کایا پلٹ ہوگئی، جیل سے
یا۔ ایک دوسرا نوجوان ماربیوانا میں دھت
کاٹ کر باہر نکلا تو نکلتے ہی ''جہادیوں'' کی
واب ملنا باقی ہے۔ اکثر کیسوں میں جب
یاسی اسلام'' یا ریڈیکل اسلام'' کے کارکن
یا چیز ہے جوان سرپھروں کو اپنی جان
ں میں نہلانے پر آمادہ کرتی ہے؟ اب تک
وجیہ کرلی جاتی تھی کہ ''ڈائرکٹ جنت میں
ریں'' ملنے کے لالچ میں وہ یہ مہلک قدم
جن کا ذکر پروین سوامی نے 24 مارچ
کیا ہے، ان سے تو یہ تھیوری ہی غلط ثابت
کے لیے کہاں کی جنت اور کیسی حور!

توبرسلز پر ہوئے حملوں پر خوب
ی یہ موضوع گرما گرم بحث کا موضوع
لام سے جوڑتے رہے اور اس کے علاج کا
صوفی اسلام کو بڑھاوا دیا جائے۔ دنیا کی
سے ہماری حکومتِ ہند تو پہلے ہی سے اس
حال ہی میں وزیراعظم نریندر مودی کی
بھی کیا جس میں مودی جی نے بھی صوفی
ان کی نگاہوں سے یہ بات کیسے اوجھل رہ

ہیں۔اس خطہ کے لوگ اتنے بدقسمت کیوں ہیں کہ وہ سیریا میں،مصر میں بحرین،یمن میں ،لیبیا میں جمہوریت کی ،بنیادی حقوق کی اورعزت وآبرو کی اورامن وسکون سے رہنے کی چاہت کرتے ہیں تو بدلے میں ان کے نصیب میں بم ،بربادی ،قتل وغارت گری اور ہولناک تباہی ،تعذیب وٹارچر ہی آتا ہے!

اوپر ہم نے سیریائی بے خانماں برباد پناہ گزینوں کا ذکر کیا تھا جن کو سربیا، یونان اوریوروپ کے دوسرے ملکوں میں شدیدمسائل کا سامنا ہے۔یوروپ میں کئی لوگوں کو لگتا ہے کہ وہ ان کے لیے مسئلہ بن جائیں گے۔کئی ملکوں میں ان کی امداد کے سلسلہ میں بڑی ہچکچاہٹ ہے۔کبھی ان کو سربیا اپنی سرحدوں میں آنے نہیں دیتا کبھی یونان ان کو ترکی کی طرف کھدیڑ تا ہے!!ایک سوال مغرب کے لوگوں سے یہ پوچھا جاسکتا ہے کہ شرق اوسط اور خاص کر سیریا کا جو برحال ہے اس کے لیے آخری تجزیہ میں مغرب بھی ذمہ دار ہے (دوسرے بھی ہیں،مثلاً خلیج کے عرب ممالک اورایران)ان کی بالواسطہ اور بلاواسطہ مداخلتوں نے ہی تو ان بے چاروں کے سر سے چھت چھین لی ہے تو اب ان بے سہاروں کو امداد وتعاون دینے میں ہچکچاہٹ کیوں دکھائی جارہی ہے؟

بہرحال ان حملوں کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے ۔اوران کا سب سے بُرا اورعالمی اثر اسلام اورمسلمانوں کی شبیہ پر پڑتا ہے۔ان کی شبیہ جو دنیا بھر میں انتہا پسندوں کی بنادی گئی ہے اس میں ہر حملہ سے مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔تاہم دہشت گردانہ حملے صرف یوروپ میں نہیں بلکہ

مختلف مسلم اورغیر مسلم ممالک میں ہورہے ہیں اس لیے اس تشدد کو کسی ایک مذہب سے جوڑنے کی بجائے ایک چیلنج کے طور پر لینا چاہیے۔یہ مہذب دنیا کا چیلنج ہے اوراس کا مقابلہ انتہا پسندوں کو کچل کر ان پر بے محابا بمباری کرکے نہیں کیا جاسکتا بلکہ ان کو engage کرنے کی ،ان کی بات سننے کی اوران کو قائل کرنے کی ضرورت ہے۔جس آئڈیالوجی کے بطن سے وہ پیدا ہورہے ہیں جس میں صرف اپنے آپ کو مسلمان سمجھنا اور

س آئڈیالوجی کوتوڑنے کی ضرورت ہے
لے گی۔انفرادی اور تنظیموں کی دہشت گردی
دی کا استعمال کررہی جس سے کچھ دہشت
ت گرد جنم لے لیتے ہیں۔فوجی مداخلتیں
ں کو اپنے گھر باڑ چھوڑ کر نقل مقانی پر مجبور
وں سے حالات صرف پیچیدہ ہی ہوتے
آج کی مہذب دنیا یہ بات سمجھنے کے لیے